اگر دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کرنا چاہتے ہو تو خلیفۂ وقت کی اسی طرح کامل اطاعت کرو جس طرح دماغ کی تمام اعضاء کرتے ہیں

(فرمودہ ۲۴؍جنوری ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

تحریک جدید میں سے ایک جُزو اپنے ہاتھ سے کام کرنا ہے۔ میں ان خطبات میں جو اِس سال کی تحریک جدید کے متعلق دے چکا ہوں غالباً اِس کا ذکر کئی موقعوں پر کر چکا ہوں مگر پھر بھی میں سمجھتا ہوں ابھی یہ مضمون بہت کچھ وضاحت اور تحریک کا مستحق ہے۔ سال ہو گیا جب سے میں نے یہ تحریک کی ہے بلکہ سال کیا اب تو چودہ مہینے ہونے لگے ہیں لیکن باوجود اِس کے کہ میری اِس تحریک پر چودہ مہینے گزر چکے ہیں اور باوجود اِس کے کہ میں نے کہا تھا اس کی مثال قائم کرنے کیلئے تمام چھوٹے بڑے افراد کو اجتماعی طور پر اپنے ہاتھ سے کام کرنے چاہئیں تا دوستوں کیلئے محرّک اور نمونہ ہو، صدر انجمن احمدیہ نے اس قسم کا کوئی کام نہیں کیا حالانکہ کام کرنے کے کئی مواقع بہم پہنچتے رہے ہیں۔ دنیا میں ہر کام نمونہ چاہتا ہے کہنے والا اگر منہ سے ایک بات کہہ دیتا ہے لیکن عمل اس کے خلاف ہوتا ہے تو طبائع پر اچھا اثر نہیں پڑتا اور دنیا میں کام اتنی انواع کے ہؤا کرتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے کام دوسرا شخص نہیں دیکھ سکتا۔ مثلاً ہاتھ سے کام کرنا ہے اس میں تحریر بھی شامل

ہے اور تحریر کرنے والا بسا اوقات اپنے گھر میں کام کرتا ہے جبکہ دوسرے لوگ اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ میں اگر رات کو بارہ یا ایک بجے تک کام کرتا رہوں تو کسی کو کیا پتہ ہے کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ جو شخص نو بجے چارپائی پر لیٹ جاتا ہے وہ یہ سمجھ کر لیٹتا ہے کہ اب ساری دنیا لیٹ گئی ہوگی، جو شخص دس بجے چارپائی پر لیٹتا ہے وہ یہ سمجھ کر لیٹتا ہے کہ دس بجے سب لوگ سو گئے ہوں گے، جو شخص گیارہ بجے سوتا ہے وہ یہ خیال کر کے سوتا ہے کہ باقی دنیا بھی اب سو رہی ہوگی اور جو بارہ بجے لیٹتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اب آدھی رات گزر چکی ہے اب تو کوئی شخص کام نہیں کر رہا ہوگا۔ وہ کیا جانتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اِس وقت بھی کام میں مشغول ہیں۔ کہتے ہیں ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل''۔ جو چیز آنکھ سے اوجھل ہو اُس کے درمیان ایک پہاڑ حائل ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان اس کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو اُسے اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ جو شخص چار گھنٹے کام کرتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ چار گھنٹوں سے زیادہ کسی نے کیا کام کرنا ہے اور جو شخص پانچ گھنٹے کام کرتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ پانچ گھنٹوں سے زیادہ کسی نے کیا کام کرنا ہے یہ منافقت نہیں بلکہ اس کی طرف سے حقیقت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ باتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ دنیا میں ایسے کام بھی کرنے چاہئیں جو لوگوں کے سامنے آنے والے ہوں۔ اس طرح وہ لوگ جن کی نظروں سے کام اوجھل ہوتا ہے اور وہ سُستی کرتے ہیں اپنے سے بڑے آدمیوں کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر چُست ہو جاتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ اسلامی زمانہ کا ایک واقعہ سنایا ہے کہ خلافت عباسیہ کے دَور میں کوئی مزیّن تھا جسے کسی امیر نے خوش ہو کر پانچ سَو اشرفیاں انعام دے دیں۔ جب اُسے اشرفیاں ملیں تو اشرفیاں لیتے ہی اُس نے خیال کر لیا کہ اب دنیا میں کوئی غریب نہیں رہا۔ چونکہ وہ امراء کا نائی تھا اور اشرفیوں کے چوری ہونے کا اُسے کوئی خطرہ نہ تھا اس لئے وہ جہاں تزئین کرنے جاتا اشرفیوں کی تھیلی بھی لے جاتا اور اُسے اُچھالتا پھرتا۔ امراء کو یہ دیکھ کر مذاق سُوجھا۔ جب کسی کے پاس جاتا وہ پوچھتا میاں مزیّن! شہر کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا شہر کا اتنا اچھا حال ہے کہ کوئی کمبخت ایسا نہیں ہوگا جس کے پاس پانچ سَو اشرفیاں بھی نہ ہوں۔ اِسی طرح روز اُس سے مذاق ہوتا۔ ایک دن کسی امیر کو جو مزاح سُوجھا اُس نے چپکے سے وہ تھیلی کھسکا کر اپنے پاس رکھ لی چونکہ حجام کو یہ خطرہ نہیں تھا کہ

یہاں سے تھیلی چُرائی جاسکتی ہے اِس لئے اُس وقت تو اُس نے خیال نہ کیا مگر گھر جا کر جو چیزیں دیکھیں تو اشرفیوں کی تھیلی گُم پائی۔ اِس کا اُسے اتنا صدمہ ہوُا کہ بیمار ہو گیا۔ وہ امراء جن کو حال معلوم تھا جب اُس سے پوچھتے کہ میاں! بتاؤ اب شہر کا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتا شہر کنگال ہو گیا ہے، دنیا بھوکی مر رہی ہے آخر جس نے وہ تھیلی چھپائی تھی اُس نے لاکر اس کے سامنے رکھ دی اور کہا شہر کو بھُوکا نہ مارو تم اپنی تھیلی لے لو۔ تو انسان کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کا قیاس اپنے اوپر کرتا ہے۔ چور اِسی خیال میں رہتا ہے کہ ساری دنیا چور ہے، ایک جھوٹا یہی سمجھتا ہے کہ ساری دنیا جھوٹی ہے، ایک فاسق و فاجر یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ دنیا میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایک نکمّا اور بیکار شخص یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی ہیں وہ سب کو نکمّا اور بیکار خیال کرتا ہے۔ غرض دیواروں کے پیچھے کام کرنے والے کتنا ہی شاندار کام کریں، کتنی محنت اور سرگرمی سے حصہ لیں، کتنا وقت خرچ کریں پھر بھی ایک نکمّے شخص کی نگاہ میں سب دنیا نکمّی ہوگی اور جب اُسے کسی کام کیلئے کہا جائے گا وہ کہے گا ہم نے سب دیکھے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے آدمی بھی نکمّے بیٹھے رہتے ہیں نہ کام کرتے ہیں نہ کار، مُفت میں تنخواہیں لیتے ہیں۔ تو کچھ کام ظاہر ہونے چاہئیں اور کچھ نہ کچھ لوگوں کے سامنے نمونہ ہونا چاہئے اس سے اُن کو تحریک ہو جاتی ہے اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنا کوئی عار نہیں سمجھتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں ایک زمیندار شخص جس نے کبھی شہر نہیں دیکھا تھا اور نہ شہری تمدّن سے واقف تھا ریاست کپورتھلہ کا رہنے والا تھا، ایک دفعہ یہاں آیا اور پھر لاہور اور امرتسر جانے کا اسے جو موقع ملا تو شہری زندگی دیکھ کر ایک دم اُس کی کایا پلٹ گئی اور اُس کے دل میں یہ شوق سمایا کہ میں شہری طرزِ رہائش اختیار کروں۔ چنانچہ یہ جنون اُس میں یہاں تک بڑھا کہ وہ سیکنڈ کلاس کے بغیر ریل میں سفر نہیں کرتا تھا اور حالت یہ ہوگئی کہ جب وہ لاہور کے سٹیشن پر اُترتا تو رومال یا چھتری قُلی کو دے دیتا اور کہتا میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ حضرت خلیفۃ اوّل نے ایک دفعہ اُس سے پوچھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو رومال اور چھتری تک خود اُٹھا نہیں سکتے اور قُلی کو دے دیتے ہو؟ کہنے لگا یہ فیشن ہے اگر قُلی ساتھ نہ ہو تو انسان معزز نہیں سمجھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ اُس کی ساری جائداد گرو پڑی پھر اس کے بعد اُس نے جائداد بیچ ڈالی، پھر اپنی بوڑھی ماں کو مار پیٹ کر

اُس کا زیور بیچ ڈالا اور جب اِس طرح بھی کام نہ چلا تو عیسائی ہوگیا چنانچہ وہ اب تک عیسائی ہے حالانکہ اِس سے پہلے وہ ایک سیدھا سادھا نیک طبع نوجوان تھا۔ اُس کا ایک لطیفہ مشہور ہے اُس نے ہمارا باغ ایک دفعہ ٹھیکے پر لیا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بات ہے۔ ایک لڑکا جو بورڈنگ میں رہا کرتا تھا اب تو بہت نیک اور مخلص احمدی ہے لیکن اُس وقت بڑا شوخ مزاج ہوتا تھا۔ اُس نے ایک دو اور لڑکوں کو اپنے ساتھ ملا کر کہا آؤ رات کو ہم باغ میں چل کر میوے کھائیں۔ جب وہ میوے کھانے گئے تو اُس نے انہیں پکڑ لیا۔ باقی دو تو بھاگ گئے مگر یہ قابو آ گیا۔ شاید درخت پر تھا اور اُس سے اُتر نہ سکا یا کوئی اور سبب ہؤا بہر حال وہ پکڑا گیا۔ جب وہ پکڑا گیا تو اس شخص نے پوچھا بتا تیرا نام کیا ہے؟ اس کے نام میں عطر کا لفظ آتا تھا۔ پہلے تو اس نے بتانا چاہا اور اس کے منہ سے عطر نکل گیا پھر رُکا۔ پھر نام بتانے لگا تو عطر کا لفظ نکل گیا۔ مگر پھر اس نے اپنے آپ کو روکا اور چاہا کہ میں کوئی اور نام بتادوں۔ اتفاقاً اس کا ایک دوسرا نام بھی تھا جو غیر معروف تھا یعنی فضل الدین۔ اور اس کی وجہ سے بعض لوگ اسے فجا کہتے تھے۔ اُس نے آخر اپنا نام فجا بتادیا۔ نام پوچھ کر اس شخص نے اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ کے ایک لڑکے نے رات باغ سے پھل چُرایا ہے؟ انہوں نے پوچھا اُس کا کیا نام تھا؟ وہ کہنے لگا اُس کا نام فجا ہے۔ وہ کہنے لگے اس نام کا تو کوئی لڑکا بورڈنگ میں نہیں۔ اُس نے کہا تو پھر سکول میں ہوگا۔ انہوں نے کہا سکول میں بھی فجا نام کا کوئی لڑکا نہیں۔ پھر انہوں نے حُلیہ پوچھا تو اُس نے جو حُلیہ بتایا اس سے انہیں شبہ پڑا اور انہوں نے اس لڑکے کا نام لیا۔ تو وہ کہنے لگا یہ نام نہیں اس کا نام فجا ہے۔ وہ کہنے لگے تمہیں کس طرح پتہ ہے کہ اس کا نام فجا ہے؟ وہ کہنے لگا اُس نے اپنا نام یہ بتایا تھا کہ عطر عطر فجا۔ وہ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے فجا اس نے تمہیں دھوکا دینے کیلئے بتایا ہے ورنہ اصل نام تو اُس کا وہی ہے جو پہلے اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ تو اس قسم کی سادہ طبیعت کا وہ آدمی تھا لیکن بعد میں اِسراف اور اپنے ہاتھ سے کام نہ کرنے کے نتیجہ میں اُس کا مال گیا، دولت گئی، عزت گئی اور آخر میں مذہب بھی چلا گیا۔ تو ہاتھ سے کام نہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوجاتیں اور اچھے اچھے خاندان برباد ہوجاتے ہیں پھر اس کے نتیجہ میں غرباء ہمیشہ غربت کی حالت میں رہتے ہیں اور انہیں اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

اب کیا یہ عجیب بات نہیں کہ میں تحریک کرتا ہوں جماعت ساڑے ستائیس ہزار روپیہ دے اور وہ تھوڑے سے عرصہ میں ایک لاکھ سات ہزار روپیہ کا وعدہ کر دیتی ہے۔ پھر دوبارہ ایسی حالت میں تحریک کرتا ہوں جبکہ جماعت پر اور بوجھ بھی ہیں تو وہ ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ کا وعدہ کر دیتی ہے لیکن جو تحریک اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے متعلق ہے اِس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور جماعت کی پہلی حالت بدستور چلی آتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مال کی قربانی اِس قربانی کی نسبت بہت زیادہ آسان ہے اور یہ قربانی کرتے وقت لوگ ہچکچاہٹ محسوس کرتے اور خوشی سے آمادہ نہیں ہوتے۔ اِس کا نتیجہ مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ زندگیاں وقف کرنے والے نوجوان زندگیاں وقف کرتے ہیں وہ اِس دعوے کے ساتھ زندگی وقف کرتے ہیں کہ بھُوکے رہیں گے، پیاسے رہیں گے، پیدل جائیں گے اور ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے خوشی سے تیار رہیں گے لیکن جب ہم اُن کی روانگی پر انہیں اپنے پاس سے کچھ خرچ دیتے ہیں تو جھٹ یہ سوال پیدا کر دیتے ہیں کہ اتنا خرچ تو کافی نہیں اَور روپیہ چاہیئے۔ یہ امر صاف بتاتا ہے کہ انہیں اِسراف اور اپنے ہاتھ سے کام نہ کرنے کی عادت ہے۔ وہ وطن چھوڑ دیں گے، اپنے مستقل کو قربان کر دیں گے، بیوی بچوں سے جُدا ہو جائیں گے، ماں باپ سے الگ ہو جائیں گے لیکن اپنے ہاتھ سے کام نہ کرنا اور اِسراف ان کی راہ میں حائل ہو جائے گا اور ان عادتوں کی وجہ سے وہ مختلف قسم کے سوال پیدا کر دیں گے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں بہ نسبت اَور امراض کے یہ مرض زیادہ راسخ ہے حالانکہ یہی وہ مرض ہے جس سے قوم میں غداری، فریب اور خیانت کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور جب اس قسم کی عادت پیدا ہو جائے کہ انسان نکمّا بیٹھا رہے اور جو مُفت میں ملے وہ لے لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن آتا ہے اور اس سے آکر کہتا ہے مجھ سے پانچ روپے لے لو اور احمدیوں کا کوئی راز بتاؤ یا ان کی فلاں خبر ہمیں لا دو اس پر وہ پانچ روپے لے لیتا اور اپنے ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔ بالکل ممکن ہے اس نے دس روپے اپنی طرف سے چندہ میں دیئے ہوں لیکن چونکہ اسے نکمّا بیٹھے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑی ہوئی ہے کہ مُفت کا روپیہ لیتا اور اپنی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اس لئے وہ پانچ روپے دیکھ کر انہیں چھوڑ نہیں سکتا، اور وہی انسان جو احمدیت کیلئے اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار تھا، اپنا وطن چھوڑنے کیلئے تیار تھا، اپنے بیوی بچوں

سے جُدا ہونے کیلئے تیار تھا محض پانچ روپے پر اپنی قوم کو بیچ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔
یہودا اسکر یوطی کو دیکھو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے وہ سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھا اور حواریوں میں وہ خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن اس نے تیس درہم پر اور وہ بھی کھوٹے تیس درہموں پر کہ اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے تب بھی ان کی قیمت آجکل کے لحاظ سے ساڑھے سات روپے بنتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی وہی عادت تھی جو آجکل ہمارے بعض نوجوانوں میں پائی جاتی ہے کہ نکمّا بیٹھے رہتے اور مُفت کی کھاتے ہیں اور مُفت کی کھانے کی عادت پیدا ہوتی ہے اپنے ہاتھ سے کام نہ کرنے کے نتیجہ میں۔

اِس وقت جتنے لوگ ہیں خواہ وہ بڑے ہیں یا چھوٹے سب میرے مخاطب ہیں اور میں ان میں سے بہت کم لوگوں کو مستثنیٰ کرسکتا ہوں بلکہ میں سمجھتا ہوں اپنے ہاتھ سے کام نہ کرنے کی عادت کے لحاظ سے باوجود اِس کے کہ یہ تعلیم میرے منہ سے نکل رہی ہے میں اپنی اولاد کو بھی مستثنیٰ نہیں کرسکتا۔ وہ بھی اِس بات پر تو تیار ہو جائیں گے کہ سلسلہ کیلئے اپنی جانیں دیں، تبلیغ کیلئے غیر مُلکوں میں نکل جائیں لیکن اپنے ہاتھ سے کام کرنا انہیں دوبھر معلوم ہوگا۔ یہ محض عادت نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اگر انہیں عادت ہو جائے تو اِس کام میں بھی وہ کوئی تکلیف محسوس نہ کریں۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اِذخر کاٹ کر لاتے اور بیچتے [1]۔ اِذخر ایک قسم کا گھاس ہوتا ہے اہل عرب میں چونکہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی اس لئے وہ ان کاموں کو بُرا نہیں سمجھتے تھے لیکن ہمارے ملک میں کام کرنا عزت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ جب تک ہم اِس خیال کو دُور نہیں کر دیتے جماعت میں سے آوارگی اور جہالت دور نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کام کرنے کی روح جماعت میں پیدا کر دیں تو جماعت کا ۲۵ فیصد بوجھ اُتر سکتا ہے اور جب اس روح کے نتیجہ میں وہ دنیا میں مفید کام کرنے لگ جائیں تو میں سمجھتا ہوں ۲۵ فیصد بوجھ اور اُتر سکتا ہے کیونکہ اِس کے نتیجہ میں چندہ دینے والے بہت سے نئے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ غرض اگر اِس وقت ہمارا خرچ کا تین لاکھ سالانہ بجٹ ہوتا ہے تو بیکاروں کا بوجھ ہٹ جانے کی وجہ سے بجٹ سَوا دو لاکھ پر آجائے گا اور اگر اِس وقت آمد اڑھائی لاکھ ہوتی ہے تو

چندہ دینے والوں کی زیادتی سے آمد سَوا تین لاکھ ہو جائے گی ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت قادیان میں ہی پانچ سَو عورتیں مرد ایسے ہیں جو بالکل نکمّے بیٹھے ہیں اور جن کی نظر اِسی طرف رہتی ہے کہ کوئی انہیں دے تو کھالیں ۔ ان میں اخلاص ہے، نیکی ہے اگر فاقہ میں بھی انہیں چندہ کی آواز آئے تو وہ اپنے مانگے ہوئے روپیہ میں سے چندہ دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ کیلئے اسے خرچ کر دیں گے پس ان میں اخلاص کی کمی نہیں، کمی صرف تربیت کی ہے ۔ کام لینے والوں نے ان سے کام نہیں لیا اور سمجھانے والوں نے انہیں سمجھایا نہیں اور نہ انہیں بتایا ہے کہ کس رنگ میں وہ اپنی عزت بڑھا سکتے ہیں ۔ اگر بتاتے تو وہ بھی دوسروں سے پیچھے نہ رہتے ۔ گویا وہ قیمتی موتی ہیں مگر افسوس کہ مٹی کے اندر ملے ہوئے ہیں ۔ جس طرح ایک گھوڑا جس پر سوار ہو کر انسان مِیلوں میل سفر کر لیتا ہے اگر انسان اُس کے نیچے کھڑا ہو کر اُسے اپنے سر پر اُٹھانا چاہے تو وہ اس کی کمر توڑ دے گا اسی طرح یہ قوم کے گھوڑے ہیں مگر بجائے اِس کے کہ ان کے ذریعہ ترقی کی منازل طے کی جاتیں وہ ایسے پتھر بن گئے ہیں جو قوم کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اور جو اسے نیچے ہی نیچے کھینچے لئے جا رہے ہیں ۔

پس ضروری ہے کہ اس قسم کے کام تمام جماعت مل کر کرے تا مِل کر کام کرنے کی وجہ سے کوئی شخص ہاتھ سے کام کرنا اپنے لئے عار نہ سمجھے ۔ میں نے اُس وقت کئی کام بھی بتائے تھے چنانچہ میں نے کہا تھا مہمان خانہ بننے والا ہے سب مل کر اس کی تعمیر کر دیں لیکن لوگوں کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی اور مہمان خانہ بن گیا ۔ پھر میں نے کہا تھا محلوں میں بڑا گند ہوتا ہے غیر لوگ جب دیکھتے ہوں گے تو باہر جا کر کیا کہتے ہوں گے کہ یہ احمدی تقریریں کرتے وقت تو کہتے ہیں قرآن مجید کا حکم ہے صفائی کرو اور گندگی سے بچو لیکن ہم نے ان کے محلے دیکھے ہیں بدبُو کے مارے ان میں سے گزرا نہیں جاتا ۔ متعفن نالیاں ہیں، راستوں پر گند پڑا رہتا ہے اور کوئی صفائی نہیں کرتا ۔ میں نے توجہ دلائی تھی کہ محلے والے مل کر اس گند کو دُور کریں اور گڑھے وغیرہ پُر کر کے جگہیں ہموار کر دیں ۔ آخر لوگ روٹیوں کی دعوت کھانے کیلئے جاتے ہیں یا نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کام کیلئے لوگوں کو دعوت دی جائے اور وہ نہ آئیں ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دن دارالرحمت والے سارے شہر کی دعوت کر دیں اور کہیں آؤ سب مل کر ہمارے محلّہ کی صفائی کرو، پھر کسی دن دارالفضل

والے سب شہر کو بلالیں کہ آؤ ہمارے محلّہ کی صفائی کردو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ روٹی کی دعوت میں تو ہم جاسکتے ہیں لیکن کام کی دعوت میں ہم نہیں جاسکتے۔ تو یہ ساری تدبیریں میں نے بتائی تھیں مگر چودہ مہینے ہوگئے کسی نے ہمیں نہیں بلایا۔ دوسری دعوتیں تو لوگ اس کثرت سے کرتے ہیں کہ مجھے پیچھا چھُڑانا مشکل ہوجاتا ہے اور ان کا اصرار ہوتا ہے کہ آج روٹی ہمارے گھر سے کھائیں۔ حالانکہ روٹی انسان اپنے گھر میں روز کھاتا ہی ہے۔ پس ایسی دعوت کا کیا فائدہ جو روز میسّر آتی ہے وہ دعوت کرو جو لوگوں کو میسّر نہیں آتی۔ کام کیلئے بُلاؤ اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی لوگوں کو عادت ڈالو تا فارغ اور نکمّے بیٹھے رہنے والوں کو بھی کام کی عادت پڑے۔ اور اگر کام کر کے لوگوں کو کھانے کی عادت ہوجائے تو پھر چاہے کوئی لاکھ روپیہ بھی دے اور کہے کہ قوم سے غداری کرو تو وہ غداری کرنے کیلئے تیار نہیں ہوگا کیونکہ اُسے طیب کھانے کی عادت ہوگی۔

پس کام نہ کرنے کے نتیجہ میں اخلاق بگڑ جاتے ہیں، قوم میں بیکاری اور آوارگی پیدا ہو جاتی ہے اور خداتعالیٰ کی وہ عطا کردہ طاقتیں جن کی قیمت میں دنیا کی کوئی چیز پیش نہیں کی جاسکتی ضائع ہوجاتی ہیں۔ خداتعالیٰ کی دی ہوئی آنکھ کتنی قیمتی چیز ہے لیکن جب کسی کی آنکھ ضائع ہوجائے تو کیا کرڑوں روپیہ دے کر بھی وہ آنکھ بنواسکتا ہے؟ اسی طرح خداتعالیٰ کا دیا ہؤا دماغ جب خراب ہوجاتا ہے اور انسان پاگل ہوجاتا ہے تو بسا اوقات سارے ڈاکٹر مل کر بھی اُسے اچھا نہیں کرسکتے۔ پس کام نہ کرنے کے نتیجہ میں علاوہ اور نقصانات کے ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کی عطا کردہ طاقتیں ضائع چلی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک ہزار روپیہ ڈھاب میں ڈال دے تو قادیان کے سارے لوگ اُسے ملامت کرنے لگ جائیں گے کہ کیسا بیوقوف ہے اس نے ہزار روپیہ ڈھاب میں ڈال دیا لیکن اس سے لاکھوں گُنے نہیں کروڑوں گُنے زیادہ قیمت کا دماغ لوگ ضائع کررہے ہوتے ہیں اور کوئی نہیں کہتا کہ کتنا اندھیر ہے حالانکہ غریب سے غریب اور اَن پڑھ سے اَن پڑھ کے دماغ کے مقابلہ میں ہزاروں روپیہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ جاہل سے جاہل انسان سے کہو کہ ہم تجھے ہزار روپیہ دیتے ہیں تُو اپنا بھیجا نکال دے تو وہ اِس کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ پس کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اگر کوئی ڈھاب میں ایک ہزار روپیہ ڈال دے تو سارے لوگ مل کر شور مچادیں کہ اتنا بڑا بیوقوف ہم نے کبھی نہیں دیکھا لیکن جو لوگ اپنے کروڑوں روپیہ سے زیادہ

قیمتی دماغ ضائع کر رہے ہیں، اپنی مفید ترین طاقتیں نکمّے اور بیکار بیٹھ بیٹھ کر ضائع کر رہے ہیں ہم انہیں دیکھتے اور کوئی شور نہیں مچاتے اور نہ ان کی درستی کے ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ پس بیکاری ہمیشہ کام کو ذلّت سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اگر ہم کام کرنے لگ جائیں اور لوگ دیکھیں کہ چھوٹے بڑے سب کام کر رہے ہیں تو ذلّت کا خیال لوگوں کے دلوں سے خود بخود نکل جائے اور لوگ کام کرنے میں عزت محسوس کرنے لگیں اور جس دن کام میں لوگ عزت محسوس کرنے لگیں گے، جس دن نکمّا اور بیکار بیٹھنا لوگ اپنے لئے ہلاک کرنے والی زہر سمجھیں گے اُس دن سمجھو کہ دنیا کی بلائیں ٹل گئیں اور روحانیت کی بنیاد قائم ہوگئی۔ کیونکہ کام ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے کرنے کے نتیجہ میں جہاں دُنیوی مصائب کا خاتمہ ہوتا ہے وہاں روحانیت کا بھی دروازہ کُھل جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَاالرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا [۲] اے رسول! طیب کھاؤ اور اعمال صالحہ کرو۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ طیب کھانے کے نتیجہ میں اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ بعض لوگ طیب کھائیں لیکن ان کے پاس دین نہ ہو اور اس وجہ سے شریعت کے مطابق ان سے اعمال صالحہ سرزد نہ ہوں لیکن جن کے پاس دین ہو اور وہ طیب کھائیں ان سے ضرور اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً یورپ کے لوگ ہیں وہ طیب کھانے کے عادی ہیں بڑی محنت اور مشقّت سے کام کرتے اور اپنی روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں لیکن دین ان کے پاس نہیں اگر دین ان کے پاس پہنچ جائے تو چونکہ وہ طیب کھاتے اور مشکل سے مشکل کاموں کو سرانجام دینے کے عادی ہیں اس لئے وہاں اسلام نہایت شاندار نتیجہ پیدا کرے۔

جب میں لنڈن گیا تھا تو یورپ کے لوگوں کے متعلق مجھ پر یہ اثر ہؤا تھا کہ ان میں روحانیت ایشیا سے زیادہ ہے۔ ان میں دین کے متعلق ایک جستجو اور تڑپ پائی جاتی ہے پھر ان میں سنجیدگی اور متانت ایشیا والوں سے بہت زیادہ ہے۔ ہندوستانی جو پڑھے لکھے ہیں ان کی مجلس میں بیٹھ کر دیکھ لو اور پھر انگریزوں کی مجلس میں بیٹھ کر دیکھ لو تمہیں معلوم ہوگا کہ انگریزوں کا مذاق بہت زیادہ سنجیدہ ہے۔ ہندوستانیوں میں چھچھورا پن ہوگا اور پھر بدتہذیبی اور ناشائستگی پائی جائے گی جب بھی دو چار ہندوستانی مل کر بیٹھیں گے کہیں کھانے کا ذکر ہوگا اور اس پر مذاق اُڑایا جا رہا ہوگا،

کہیں ہوا خارج ہونے پر قہقہے لگ رہے ہوں گے، کہیں ڈکار پر ہنسی ہو رہی ہوگی۔ اس کے مقابلہ میں شریف انگریزوں کی مجلس میں تم دس سال رہو تمہیں اِن باتوں کا نشان تک نظر نہیں آئے گا۔ یہاں قادیان میں پڑھے لکھے کئی آدمی ہیں جو اِن گندی باتوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان کی مجلس میں اس قسم کے لغو اور بیہودہ باتوں کا ذکر ہوتا ہے اور ان پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔

بچپن میں جب مَیں ہائی سکول میں پڑھا کرتا تو دو استاد تھے اُنہیں دیکھ کر مجھے اتنی گِھن اور نفرت آتی جو بیان سے باہر ہے۔ وہ جب بھی ایک دوسرے کی شکل دیکھتے کہیں پاخانے کا مذاق شروع ہو جاتا، کہیں ہوا خارج ہونے کے متعلق ہنسی کرنے لگ جاتے اور مجھے ان کی باتیں سُن سُن کر اتنی گِھن اور نفرت آتی کہ میں چاہتا وہاں سے بھاگ جاؤں۔ یہ چھچھورا پن، یہ کمینگی، یہ رذالت اور یہ بیہودگی اور یہ گندہ مذاق کیوں ہے؟ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کا دین تمہارے پاس ہے یہ رذالت اور کمینگی اسی لئے ہے کہ تمہارے وقت کی کوئی قیمت نہیں اور جب انسان کسی مفید کام پر اپنا وقت خرچ نہیں کرتا تو کوئی نہ کوئی بکواس شروع کر دیتا ہے۔ پس جب وہ حقیقی کام نہیں کرتے تو اِس قسم کی بکواس شروع کر دیتے ہیں۔ تم اپنے اِرد گِرد کے لوگوں پر نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ کیا یہ باتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ مسلمانوں میں کہیں قرآن کریم کی آیتیں ہنسی کے طور پر پڑھی جا رہی ہوں گی، کہیں حدیثیں ہنسی کے طور پر پڑھی جا رہی ہوں گی، کہیں اسلامی اصطلاحیں مذاق کا نشانہ بن رہی ہوں گی، کہیں کھانے اور دعوتوں کا ذکر ہوگا۔ ایک کہے گا تم فلاں دعوت میں تھے تم نے کتنا کھایا دوسرا کہے گا تم فلاں شادی میں تھے کیا کیا کھایا۔ پھر کہیں کسی کے ڈکار لینے پر مذاق سوجھ جائے گا، کہیں ہوا خارج ہونے پر قہقہہ لگ جائے گا۔ تم بتاؤ کیا اس قسم کی رذیلانہ اور کمینہ حرکات تمہارے ملک اور سوسائٹی میں ہوتی ہیں یا نہیں؟ پھر سوچو کہ اِس کی کیا وجہ ہے کہ تم میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر تم غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ باتیں محض اس وجہ سے ہیں کہ تمہیں کام کرنے کی عادت نہیں۔ اگر کام کرنے کی عادت ہو تو طبیعت میں سنجیدگی اور متانت پیدا ہو جاتی ہے اور نہ صرف اِس قسم کی کمینہ حرکات میں انسان حصہ نہیں لیتا بلکہ اس کا وقت ضائع ہونے لگتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے۔ پس کام کرنے کی عادت ڈالو اور اپنے اوقات کی قدر کرو۔

عیسائیت کتنی گھناؤنی چیز ہے، کتنی قابلِ نفرت چیز ہے فطرت اس کے خلاف بغاوت کرتی

ہے کہ ایک کھاتے پیتے انسان کو خدا مانا جائے، انسانی عقل اسے دھکے دیتی اور اسے اپنے سفید کپڑوں پر ایک داغ اور میل سمجھتی ہے لیکن باوجود اِن تمام باتوں کے عیسائیوں کے اخلاق کیوں تم سے اعلیٰ ہیں؟ ان کے اعلیٰ اخلاق مذہب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ ان قوموں نے کسی سبب سے مَیں اُس سبب کی تعیین نہیں کرتا، مَیں مذہب پر بحث نہیں کر رہا کہ میں مذہبی سبب بیان کروں، مَیں اقتصادیات پر بحث نہیں کر رہا کہ اقتصادی سبب بیان کروں، مَیں سیاسیات پر بحث نہیں کر رہا کہ سیاسی سبب بیان کروں، مَیں یہ کہتا ہوں کہ کسی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو بیکاری سے بچالیا اور کام کرنے کی عادت ڈال لی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ باوجود اس کے کہ مذہب ان کے پاس نہیں ان کے اخلاق تم سے اعلیٰ ہوگئے۔

ہم جب لنڈن پہنچے اور رات سونے کے بعد میں صبح کو اُٹھا تو میں نے اپنے قافلہ کے دوستوں کے چہروں پر رنجش کے آثار پائے اور مجھے یوں معلوم ہؤا کہ گویا کوئی جھگڑا ہؤا ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر سے کُرید کرنا شروع کیا تو مجھے بتایا گیا کہ کچھ جھگڑا ہو گیا تھا مگر آپ کو بتانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ میں نے کہا کیا ہؤا؟ تو بعض دوستوں نے بتایا کہ اَسباب جب اُتارا گیا تو اُس وقت سوال پیدا ہؤا کہ مختلف کمروں میں کس طرح پہنچے۔ وہاں مزدور اور قلّی نہیں ہوتے بلکہ سب اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارے قافلہ والے ہندوستانیت اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اِس لئے جب یہ وہاں پہنچے اور اسباب اُٹھانے کیلئے کوئی مزدور نہ پایا تو ان میں سے بعض سخت ناراض ہوئے کہ یہاں ہمارے اچھے مبلّغ رہتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا اسباب اُٹھوانے کیلئے کوئی انتظام نہیں کیا اگر مزدور ہوتے تو ان کے ذریعہ اسباب اُٹھوا کر پہنچا دیتے۔ ہم سے پہلے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وہاں پہنچے ہوئے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک دوست بھی تھا جو جرمن کا رہنے والا تھا اور اُس کا باپ نواب تھا۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہہ دیا تھا کہ آپ ہم سے پہلے جارہے ہیں ہمارے پہنچنے سے پہلے سیریں وغیرہ کرلیں لیکن جب ہم پہنچیں تو پھر آپ کو ہمارے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ اس کے مطابق چوہدری صاحب اور ان کے جرمن دوست ہم سے پہلے اس مکان میں آئے ہوئے تھے۔ بتانے والے نے بتایا کہ اس سوال کے پیدا ہونے پر کہ کمروں میں اسباب کون رکھے؟ ہمارے ساتھی تو ایک دوسرے سے روٹھ کر الگ ہوگئے اور سارا اسباب

چوہدری ظفر اللہ صاحب اور ان کے جرمن دوست برونلر نے قافلہ میں سے بعض آدمیوں کے ساتھ مل کر رکھا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب چونکہ ولایت میں رہ چکے تھے اِس لئے وہ وہاں کے طریق سے واقف تھے اور اُن کا دوست تو یورپ کا ہی تھا گو وہ اب انگلستان میں رہتا ہے اور جنگ کے بعد نوابیاں جاتی رہیں لیکن اب بھی وہ انگلستان میں انجینئر اور موجد ہے اور معزز شخص ہے مگر باوجود اِس کے اُس نے اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ اِس کے مقابلہ میں ہمارے ملک میں اگر پندرہ پُشت سے نوابی بھی کسی کے خاندان سے گئی ہوئی ہو تو مجال نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے بہرحال اُس نے اور چوہدری صاحب نے مل کر کام کیا اور اسباب کمروں میں رکھ دیا۔ بے شک بعض ہمارے ساتھیوں نے بھی کام کیا لیکن بعض نے اِس کو بُرا منایا اور کام سے انکار کر دیا۔ پس ولایت میں سب اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ میرے ساتھ ہی امریکہ کے بعض امراء سفر کر رہے تھے وہ بہت بڑے تاجر تھے، لکھ پتی یا کروڑ پتی تھے اور وہ اپنے اہل وعیال سمیت یورپ کی سیاحت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ میرے سامنے جب وہ سٹیشن پر اُترے تو ہر ایک نے اسباب کے تین تین بنڈل اپنے آگے پیچھے لٹکا لئے اور چل پڑے۔ میرے لئے بھی یہ اچنبھا تھا کیونکہ میں بھی آخر ہندوستانی طریق کا عادی تھا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی گارڈ یا ڈرائیور نے کسی بڑے افسر کو پہچان لیا تو کہہ دیا لائیے میں اسباب اُٹھا لیتا ہوں اور وہ اسباب اُٹھانے پر اُسے کچھ انعام دے دیتے ہیں مگر یہ اتفاقی ہوتا ہے اور پھر شاذ کے طور پر انعام لینے کی خاطر بعض لوگ دوسرے کا اسباب اُٹھا لیتے ہیں لیکن اس صورت کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی سب لوگ خواہ وہ کتنے بڑے ہوں اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے اور اپنا اسباب خود اُٹھا کر لاتے اور لے جاتے ہیں اور ان میں یہ کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی لکھ پتی یا کروڑ پتی اپنے ساتھ کوئی نوکر رکھ لیتا ہے جو اسباب اُٹھا لیتا ہے لیکن مزدوروں اور قلیوں کا وہ طریق جو ہمارے ہاں مروّج ہے یورپ میں کہیں نظر نہیں آتا سب اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔

پس یہ اخلاق جو اِن میں پیدا ہوئے ان کی اصل وجہ یہی ہے کہ انہوں نے حقیقی کام کرنے کی عادت ڈال لی اور وہ فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ پھر ان میں سے بھی جو اپنے وقت کو فضول باتوں میں ضائع کرنے والے ہیں ان میں وہی عادتیں پائی جاتی ہیں جو

ہندستانیوں میں ہیں۔ بے شک ان کا کثیر حصہ ایسا ہے جو اپنے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرتا ہے لیکن ان میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے وقت کو فضول صَرف کرنے کے عادی ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ شراب پینے کے عادی ہیں اور شراب بھی آوارگی پیدا کرتی ہے یا شاید اس لئے کہ ان میں جُوا ہے اور جُوا بھی آوارگی پیدا کرتا ہے۔ بہرحال ان میں بھی ایک حصہ آوارہ ہے اور ان میں بھی وہی آوارگیاں، وہی گند اور وہی بُری باتیں پائی جاتی ہیں جو ہندوستانیوں میں پائی جاتی ہیں مگر وہ اتنے بھیانک سمجھے جاتے ہیں کہ شرفاء ان کے پاس کھڑا ہونا بھی گوارا نہیں کرتے۔ پس اس لحاظ سے یورپ اور ہندستان میں پھر بھی امتیاز ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں ایک فحش کلام، ایک گندہ ذہن اور ایک بدمذاق انسان کے پاس کھڑا ہونا شرفاء باعثِ عار نہیں سمجھتے اور نہ اور لوگ بُرا مناتے ہیں۔ انگلستان میں اگر کسی شخص کو اِس قماش کے لوگوں کے پاس کھڑا ہوا دیکھ لیا جائے تو اُس کی ساری عزت خاک میں مل جاتی ہے اور وہ کسی سوسائٹی میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ لوگ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ جب یہ آوارہ شخص کے پاس کھڑا تھا تو یہ بھی آوارہ ہوگا۔ پس وہاں کے آوارہ ایک زندہ جیل خانہ ہوتے ہیں کہ جو شخص ان کے پاس کھڑا دیکھا جائے یا باتیں کرتا دیکھا جائے اُس کی عزت بھی جاتی رہتی ہے اور جس طرح طاعون سے بچانے کیلئے کیمپ کھولے جاتے ہیں انہوں نے بھی اپنی قوم کو آوارگی سے بچانے کیلئے گویا اِس قسم کے کیمپ بنا رکھے ہیں اور آوارگی سے اتنی شدید نفرت اپنی قوم میں پیدا کر دی ہے کہ آوارہ شخص سے بات کرنا بھی آوارگی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی آوارہ کے ساتھ چل پھر رہا ہو، اُس سے باتیں کر رہا ہو اور اُس سے تعلقات رکھتا ہو تو پوچھنے پر لوگ کہہ دیتے ہیں وہ آوارہ ہے یہ تو نہیں۔ مگر وہاں چلنا پھرنا تو الگ رہا ایک منٹ کیلئے بھی اگر کوئی کسی آوارہ کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے تو سب لوگ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ تو کام کرنے کی وجہ سے جماعت میں بہت نیک تغیرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ قادیان اور باہر کے لوگ چندے تو دیتے ہیں مگر جو چیز قوم کی حقیقی روح ہے وہ اِن چندہ دینے والوں نے ابھی تک پیدا نہیں کی۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور صدر انجمن احمدیہ کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ کوئی ایسا کام شروع کرے جس میں سب لوگ حصہ

لیں۔کام اس کے ہاتھ میں ہیں میرے ہاتھ میں نہیں۔اگر میرے ہاتھ میں ہوتے تو مَیں اب تک کئی کام شروع کرا دیتا۔

اس کے ساتھ ہی مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ وزراء اور نائب ہوتے ہیں ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے افسر کی روح اپنے اندر پیدا کریں اور اس کے اشاروں کو سمجھیں۔اگر دماغ میں کوئی اعلیٰ تجویز آئے مگر ہاتھ شل ہوں تو وہ تجویز کسی کام کی نہیں رہتی اور نہ کوئی نتیجہ پیدا کرسکتی ہے۔ناظر ہونے کی وجہ سے وہ میرے نائب ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ وہی روح اپنے اندر پیدا کریں جو مَیں پیدا کرنی چاہتا ہوں۔جس طرح بادنما مرغ ہوتا ہے کہ وہ ہوا کے رُخ کے مطابق اپنا رُخ بدلتا ہے اسی طرح بہترین ناظر وہی سمجھا جاسکتا ہے جو خلیفۂ وقت کے اشاروں کو سمجھے۔ جو روح خلیفہ پیدا کرنا چاہے وہی روح ناظر پیدا کریں اور جو سکیم خلیفہ پیش کرے وہی سکیم تمام ناظر رکھیں۔اگر ناظروں میں تعاون نہ ہو اور وہ میری باتوں کو نہ سُنیں ، جو تجاویز میں پیش کروں اُس کی بجائے وہ اپنی تجاویز چلانا چاہیں، جو مَیں تدابیر بتاؤں اُن کو چھوڑ کر وہ اپنی تدبیریں بروئے کار لائیں اور اگر کارکنوں میں تعاون نہ ہو، مبلّغوں میں تعاون نہ ہو اور میں کچھ کہتا رہوں اور وہ کچھ اَور کرتے رہیں تو یہ یہی بات ہوگی کہ:

من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ سرائد

مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اِخلاص کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ تربیت کے نقص کی وجہ سے اب تک میری مثال اور ناظروں اور کارکنوں کی مثال بالکل یہی ہے کہ:

من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ سرائد

میں کچھ کہتا ہوں اور وہ کچھ اور کرتے ہیں، میں کوئی سکیم پیش کرتا ہوں وہ کوئی اور سکیم چلاتے ہیں، میں کوئی اور پالیسی بتاتا ہوں وہ اپنی پالیسی کے پیچھے چلے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہترین سے بہترین تجویز کا بھی وہ شاندار نتیجہ نہیں نکلتا جو نکلنا چاہیئے۔اگر وہ اپنے آپ کو میرا ہاتھ بناتے ، اگر وہ اپنے آپ کو میرا ہتھیار فرض کرتے اور اگر وہ سمجھتے کہ اُن کا کام یہ ہے کہ وہ دیکھیں میرے منہ سے کیا نکلتا ہے اور پھر اسے جاری کرنے کی کوشش کرتے تو اب تک کایا پلٹ گئی ہوتی۔مگر حالت یہ ہے کہ میں کہتا ہوں جماعت کی اِس رنگ میں تربیت کرو اور مبلّغ وفاتِ مسیح کا مسئلہ رٹتے چلے

جاتے ہیں، میں کہتا ہوں جماعت سے بیکاری دور کرو اور مبلّغ خود اپنے اندر بیکاری پیدا کرتے چلے جاتے ہیں، میں کہتا ہوں وعظوں کی بجائے اپنا نیک نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرو اور وہ پُرانے مسائل لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جاتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے۔ جو لوگ وفاتِ مسیح مان چکے ہوں اُن کے سامنے وفاتِ مسیح کا مسئلہ پیش کرنا بیوقوفی ہے اور یہ سمجھنا کہ قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک ہی معنی ہیں اور زیادہ بیوقوفی ہے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت نہیں جو صرف ایک مطلب اپنے اندر رکھتی ہو۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو جن آیتوں سے وفاتِ مسیح ثابت ہے وہ میرے لئے منسوخ کی طرح ہوتیں مگر یہ غلط ہے۔ باوجود وفاتِ مسیح تسلیم کرنے کے میرے لئے بھی وہ آیتیں اپنے اندر کئی معارف رکھتی ہیں۔ مثلاً یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [۳] والی آیت دوسروں کیلئے یہ مفہوم رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں مگر میرے لئے اِس میں یہ سبق ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جائے اگر ساری دنیا مل کر بھی اُسے مارنا چاہے تو نہیں مار سکتی۔ اب اگر کوئی شخص میرے سامنے یہ آیت اِس غرض کیلئے پیش کرے کہ اِس سے وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے تو وہ میرا وقت ضائع کرتا ہے۔ ہر زمانہ کا دَور الگ ہوتا ہے اور ہر دَور میں الگ آیتیں پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، الگ حدیثیں پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، الگ استدلال پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم کیوں سمجھتے ہو کہ قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک ہی معنی ہیں۔ تم ان ہی آیتوں کو لے کر ان سے اَور اَور معارف نکال سکتے اور دنیا کو محوِ حیرت بنا سکتے ہو۔ قرآن کریم تو ذوالبطون ہے اور اس کی ایک ایک آیت میں کئی کئی معارف پنہاں ہیں۔ کسی وقت اس کے کسی معنی پر زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی وقت کسی مفہوم پر۔

ضرورت اِس بات کی ہے کہ جماعت محسوس کرے کہ خلیفۂ وقت جو کچھ کہتا ہے اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر تو وہ سمجھتی ہے کہ خلیفہ نے جو کچھ کہا وہ غلط کہا اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا تو جو لوگ یہ سمجھتے ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو سمجھائیں اور اُس سے ادب کے ساتھ تبادلۂ خیالات کریں لیکن اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ اُسی طرح کام کریں جس طرح ہاتھ دماغ کی متابعت میں کام کرتا ہے۔ ہاتھ کبھی دماغ کو سمجھاتا بھی ہے کہ ایسا نہ کرو۔ مثلاً دماغ کہتا ہے فلاں جگہ مُکّا مارو۔ ہاتھ مُکّا مارتا ہے تو آگے وہ زِرہ کی سختی محسوس کرتا ہے اور ہاتھ کو درد

ہوتا ہے۔ اِس پر ہاتھ دماغ سے کہتا ہے کہ اس جگہ مُکّا نہ مروائیں یہاں تکلیف ہوتی ہے اور دماغ اس کی بات مان لیتا ہے۔ اِسی طرح جماعت میں سے ہر شخص کا حق ہے کہ اگر وہ خلیفۂ وقت سے کسی بات میں اختلاف رکھتا ہے تو وہ اُسے سمجھائے اور اگر اِس کے بعد بھی خلیفہ اپنے حکم یا اپنی تجویز کو واپس نہیں لیتا تو اس کا کام ہے کہ وہ فرمانبرداری کرے۔ اور یہ تو دینی معاملہ ہے دُنیوی معاملات میں بھی افسروں کی فرمانبرداری کے تاریخ میں ایسے ایسے واقعات آتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر طبیعت سرور سے بھر جاتی ہے۔

بیلا کلاوا کی جنگ ایک نہایت مشہور جنگ ہے۔ اس میں انگریزوں کو روسی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک دن جنگ کی حالت میں اطلاع ملی کہ روسی فوج کا ایک دستہ حملہ کیلئے آرہا ہے اور اُس میں آٹھ نو سَو کے قریب آدمی ہیں۔ اِس اطلاع کے آنے پر انگریز کمانڈر نے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ۔ اس افسر کو اطلاع مل چکی تھی کہ روسی دستہ آنے کی اطلاع غلط ہے اصل میں روسی فوج آرہی ہے جو ایک لاکھ کے قریب ہے۔ جب انگریز کمانڈر نے حکم دیا کہ ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ تو اُس افسر نے کہا یہ خبر صحیح نہیں ایک لاکھ فوج آرہی ہے اور اُس کا مقابلہ ایک دستہ نہیں کرسکتا۔ انگریز کمانڈر نے کہا مجھے صحیح اطلاع ملی ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اطاعت کرو۔ وہ سات آٹھ سَو کا دستہ لے کر مقابلہ کیلئے چل پڑا لیکن جب قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں ایک لاکھ کے قریب دشمن کی فوج ہے۔ بعض ماتحتوں نے کہا کہ اِس موقع پر جنگ کرنا درست نہیں ہمیں واپس چلے جانا چاہئے مگر اُس افسر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا اور کہا ماتحت کا کام اطاعت کرنا ہے اعتراض کرنا نہیں۔ باقیوں نے بھی گھوڑے بڑھا دیئے اور سب ایک ایک کر کے اس جنگ میں مارے گئے۔ قوم آج تک اِس واقعہ پر فخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کی قوم کے لوگوں نے اطاعت کا کیسا اعلیٰ نمونہ دکھایا اور گو یہ انگریز قوم کا واقعہ ہے مگر کون ہے جو اِس واقعہ کو سن کر خوشی محسوس نہیں کرتا۔ ایک جرمن بھی جب اس واقعہ کو پڑھتا ہے تو وہ فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک فرانسیسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک روسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی۔ پس اطاعت اور افسر کی

فرمانبرداری ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ دشمن بھی اِس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر بغیر مصائب میں پڑے اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کے یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک تُرک جرنیل نے روسیوں سے لڑائی کی۔ تُرک جرنیل کو مشورہ دیا گیا کہ اپنے ہتھیار ڈال دو کیونکہ دشمن بہت زیادہ طاقتور ہے لیکن وہ اِس پر تیار نہ ہوا۔ آخر وہ قلعہ میں بند ہوگیا روسیوں نے مہینوں اُس کا محاصرہ رکھا اور کوئی کھانے پینے کی چیز باہر سے اندر نہ جانے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب غذا کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو اُس نے سواری کے گھوڑے ذبح کر کے کھانے شروع کر دیئے مگر ہتھیار نہ ڈالے لیکن آخر وہ بھی ختم ہوگئے تو اُس نے بُوٹوں کے چمڑے اور دوسری ایسی چیزیں اُبال اُبال کر سپاہیوں کو پلانی شروع کر دیں مگر ہتھیار نہ ڈالے۔ آخر سب سامان ختم ہوگئے اور روسی فوج نے قلعہ کی دیواروں کو بھی توڑ دیا تو یہ بہادر سپاہی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مفتوح فاتح کے سامنے اپنی تلوار پیش کرتا ہے اسی قاعدہ کے مطابق جب اُس ترکی جرنیل نے روسی کمانڈر کے سامنے اپنی تلوار پیش کی تو روسی کمانڈر کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ کہنے لگا مَیں ایسے بہادر جرنیل کی تلوار نہیں لے سکتا۔ تو اطاعت اور قربانی اور ایثار ایسی اعلیٰ چیزیں ہیں کہ دشمن کے دل میں بھی درد پیدا کر دیتی اور اس کی آنکھوں کو نیچا کر دیتی ہیں۔

انگریزی قوم سے جہاں اچھے واقعات ہوئے ہیں وہاں اس سے ایک بُرا واقعہ بھی ہوا مگر اس کے اندر بھی یہ سبق ہے کہ قربانی اور ایثار نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ جب نپولین کو انگریزوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور اُس کے اپنے ملک میں بغاوت ہوگئی تو اس نے کہا میں اپنے آپ کو اب خود انگریزوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔ انگریزوں سے ہی اس کی لڑائی تھی چنانچہ وہ اُسے پکڑ کر انگلستان لے گئے۔ جب پارلیمنٹ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو اُس نے کہا نپولین سے تلوار کیوں نہیں لی گئی؟ یہ تلوار لینے کا وہی طریق تھا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ مفتوح جرنیل سے فاتح جرنیل تلوار لے لیا کرتا تھا۔ جب پارلیمنٹ نے یہ سوال اُٹھایا تو ایک انگریز لارڈ کو اِس غرض کیلئے مقرر کیا گیا کہ وہ جا کر نپولین سے تلوار لے آئے۔ جب اُس کے سپرد یہ کام کیا گیا تو وہ پارلیمنٹ میں کھڑا ہوگیا اور اُس نے کہا ایسے بہادر دشمن سے جس نے اپنے آپ کو خود ہمارے

حوالے کر دیا ہے تلوار لینا ہماری ذلّت ہے۔ مگر چونکہ اُس وقت انگریزوں میں بہت جوش تھا اور اُنہیں نپولین کے خلاف سخت غصہ تھا اِس لئے بہادری کے خیالات ان کے دلوں میں دبے ہوئے تھے انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا نپولین سے تلوار ضرور لی جائے گی۔ پھر انہوں نے اُس لارڈ کے ساتھ ایک ایسے شخص کو کر دیا جو ایسے اعلیٰ اخلاق کا مالک نہیں تھا جن اعلیٰ اخلاق کا وہ لارڈ مالک تھا اور کہا کہ نپولین سے ضرور تلوار لی جائے۔ جب وہ نپولین کے پاس پہنچے تو وہ لارڈ نہایت رقّت کے ساتھ نپولین سے کہنے لگا میری زبان نہیں چلتی اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ کو وہ پیغام پہنچاؤں مگر چونکہ مجھے حکم ہے اِس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی تلوار ہمارے حوالے کر دیں۔ نپولین نے یہ سن کر کہا کیا انگریز قوم جس کو میں اتنا بہادر سمجھتا تھا اپنے مفتوح دشمن سے اتنی معمولی رعایت بھی نہیں کرسکتی۔ یہ سن کر اُس لارڈ کی چیخ نکل گئی اور وہ پیچھے ہٹ گیا مگر اس کے نائب نے آگے بڑھ کر اُس کی تلوار لے لی۔ تو بہادری اور جرأت کے واقعات غیر کے دل پر بھی اثر کر جاتے ہیں۔

اگر ہمارے کارکن بھی وہ اطاعت، قربانی اور ایثار پیدا کریں جن کا حقیقی جرأت تقاضا کرتی ہے تو دیکھنے والوں کے دل پر جماعت احمدیہ کا بہت بڑا رُعب پڑے گا اور ہر شخص یہی سمجھے کہ یہ جماعت دنیا کو کھا جائے گی۔ اور اگر یہ نہ ہو بلکہ میں خطبے کہتا چلا جاؤں لوگ کچھ اَور ہی کرتے جائیں، مبلّغین کسی اور رستے پر چلتے رہیں، ناظر اپنے خیالوں اور اپنی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں رہیں، اسی طرح کارکن، سیکرٹری، پریذیڈنٹ، اُستاد، ہیڈ ماسٹر سب اپنے اپنے راگ الاپتے رہیں اور بندھے ہوئے جانور کی طرح اپنے کیلے کے گرد بار بار پھرتے رہیں تو بتاؤ کیا اس طرح ترقی ہوسکتی ہے؟

خلافت کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اُس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم، وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفۂ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اُس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔ میں آج تک جس قدر خطبات دے چکا ہوں اُنہیں نکال کر ناظر دیکھ لیں کہ

آیا وہ ان پر عمل نہ کرنے کے لحاظ سے مجرم ہیں یا نہیں؟ اِسی طرح محلوں کے پریذیڈنٹ ان خطبات کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ آیا وہ مجرم ہیں یا نہیں؟ ۱۴ ماہ اِس تحریک کو ہوگئے مگر کیا ناظروں، محلّہ کے پریذیڈنٹوں اور دوسرے کارکنوں نے ذرا بھی اُس روح سے کام لیا جو میں ان کے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ تعاون کرتے تو پچھلے سال ہی اتنا عظیم الشان تغیر ہوجاتا کہ جماعت کی حالت بدل جاتی اور دشمن مرعوب ہوجاتا مگر چونکہ وہ اس رنگ میں رنگین نہیں ہوئے جس رنگ میں مَیں اُنہیں رنگین کرنا چاہتا تھا اس لئے عملی طور پر انہوں نے وہ نمونہ نہیں دکھایا جو انہیں دکھانا چاہیئے تھا۔ ان کی مثال بدر کے ان گھوڑوں کی سی نہیں جن کے متعلق ایک کافر نے کہا تھا کہ ان گھوڑوں پر آدمی نہیں موتیں سوار ہیں [۴]۔ بلکہ ان کی مثال حنین کے ان گھوڑوں کی سی ہے جنہیں سوار میدانِ جنگ کی طرف موڑتے مگر وہ مکّہ کی طرف بھاگتے تھے [۵]۔

پس میں بیکاری کو دور کرنے کی طرف پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اور تمام کارکنوں کو خواہ وہ ناظر ہوں یا افسر، کلرک ہوں یا چپڑاسی، پریذیڈنٹ ہوں یا سیکرٹری توجہ دلاتا ہوں کہ اِس روح کو اپنے اندر پیدا کرو۔ کیا فائدہ اِس بات کا کہ تم نے چار سَو یا تین سَو یا دوسَو یا ایک سَو، یا ساٹھ یا پچاس روپیہ چندہ میں دے دیا، اگر تمہارے اندر وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو ترقی کرنے والی قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ ہم اگر پچاس روپے کا بیج خریدتے ہیں جسے گھُن لگا ہوُا ہے تو وہ سب ضائع ہے لیکن اگر ہم ایک روپیہ کا بیج خریدتے ہیں اور وہ تازہ اور عُمدہ ہے تو وہ پچاس روپوں کے بیج سے اچھا ہے۔ اسی طرح صرف روپیہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ ایثار، وہ قربانی، وہ تعاون اور وہ محبت واخوت کی روح پیدا نہیں ہوتی جو جماعت کو ''یکجان ودوقالب'' بنادیتی ہے۔

اگر خلافت کے کوئی معنے ہیں تو پھر خلیفہ ہی ایک ایسا وجود ہے جو ساری جماعت میں ہونا چاہیئے اور اُس کے منہ سے جو لفظ نکلے وہی ساری جماعت کے خیالات اور اَفکار پر حاوی ہونا چاہیئے، وہی اوڑھنا، وہی بچھونا ہونا چاہیئے، وہی تمہارا ناک، کان، آنکھ اور زبان ہونا چاہیئے۔ ہاں تمہیں حق ہے کہ اگر کسی بات میں تم خلیفۂ وقت سے اختلاف رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔ پھر اگر خلیفہ تمہاری بات مان لے تو وہ اپنی تجویز واپس لے لے گا اور اگر نہ مانے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ اُس کی کامل اطاعت کرو ویسی ہی اطاعت جیسے دماغ کی اطاعت اُنگلیاں کرتی ہیں۔ دماغ کہتا

ہے فلاں چیز کو پکڑو اور اُنگلیاں جھٹ اُسے پکڑ لیتی ہیں۔ لیکن اگر دماغ کہے اور اُنگلیاں نہ پکڑیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ ہاتھ مفلوج اور اُنگلیاں رعشہ زدہ ہیں کیونکہ رعشہ کے مریض کی یہ حالت ہوا کرتی ہے کہ وہ چاہتا ہے ایک چیز کو پکڑے مگر اس کی اُنگلیاں اسے نہیں پکڑ سکتیں۔ پس خلیفہ ایک حکم دیتا ہے مگر لوگ اُس کی تعمیل نہیں کرتے تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ رعشہ زدہ وجود ہیں۔ لیکن کیا رعشہ والے وجود بھی دنیا میں کوئی کام کیا کرتے ہیں؟ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ سال کا تجربہ مجھے یہی بتاتا ہے کہ ہماری جماعت کا وجود رعشہ والا وجود ہے، دماغ نے حکم دیا مگر ہاتھوں اور اُنگلیوں نے کوئی کام نہ کیا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جماعت نے تحریک جدید میں روپیہ دیا مگر میں نے بتایا تھا کہ اس میں سب سے کم قیمت روپیہ کی ہوگی۔ روپیہ کی قیمت تو رسم ورواج کی وجہ سے ہے۔ آج یورپ کے اثر، اس کے غلبہ اور فوقیت کی وجہ سے ہمیں روپیہ کی ضرورت ہے ورنہ روپوں پر تو ہم تھُو کتے بھی نہیں اور نہ صرف روپوں سے دنیا میں انبیاء کی جماعتیں کبھی کامیاب ہوا کرتی ہیں۔ صحابہؓ کے زمانہ میں کب روپے تھے مگر انہوں نے کام کر کے دکھایا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ اِسی طرح ہمیں بھی روپوں کی ضرورت نہیں کام کرنے والے آدمیوں کی ضرورت ہے مگر چونکہ کُفر کی اشاعت میں روپیہ کا بہت بڑا دخل ہے اِس لئے جوابی رنگ میں ہمیں بھی روپیہ لینا اور خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ سے عذاب دینا منع ہے [۶]۔ اِس حدیث کی رو سے توپوں اور بموں سے لوگوں کو ہلاک کرنا ناجائز ہے مگر چونکہ یورپ والے لڑائیوں میں توپ اور بم استعمال کرتے ہیں اِس لئے مجبوراً اسلامی حکومتوں کو بھی یہ ہتھیار استعمال کرنے پڑتے ہیں ورنہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے کہ ہم اِس قسم کے ہتھیار دُنیا سے مٹا دیں لیکن چونکہ یورپ والے توپیں چلاتے ہیں اس لئے جواباً توپوں کا استعمال جائز ہے ورنہ جب اسلامی حکومتوں کا دنیا میں غلبہ ہوگا اُس وقت ان کا پہلا فرض یہ ہوگا کہ وہ توپ اور بم کو اُڑا دیں اور اسے دنیا سے مٹانے کی کوشش کریں۔

ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج تیرہ سَو سال پہلے جسے آج بعض کم بخت تعلیم یافتہ کہلانے والے مسلمان بھی جہالت کا زمانہ کہتے ہیں یہ رحم اور محبت کی تعلیم دی کہ آگ کا عذاب دینا منع ہے۔ کتنی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ آج آگ کا عذاب تم دنیا سے مٹا دو تمام

خونریزیاں مٹ جائیں گی۔تم بم سے ایک مرد اور عورت کا فرق نہیں کر سکتے۔تم ایک توپ کا گولہ چلاتے وقت یہ احتیاط نہیں کر سکتے کہ عورتیں اِس کی زد سے بچی رہیں، بچے محفوظ رہیں لیکن تلوار چلاتے وقت تم یہ سب احتیاطیں کر سکتے ہو۔تم دیکھ سکتے ہو کہ تمہارے سامنے عورت ہے یا مرد، لڑائی میں شامل ہونے والا ہے یا راہگیر اور مسافر لیکن توپ کا گولہ بلا تمیز سب کو مٹا دے گا۔عورتیں زد میں آئیں گی تو انہیں ہلاک کر دے گا، ہسپتال زد میں آئیں گے تو انہیں تباہ کر دے گا، زخمی جو ہسپتال میں زخموں کی وجہ سے کراہ رہے ہوں گے انہیں بھی موت کے گھاٹ اُتار دے گا لیکن تلوار چلاتے وقت انسان سمجھتا ہے کہ میرے سامنے کون ہے اور میں کس کو ہلاک کر رہا ہوں۔پس اگر آج رسول کریم ﷺ کی اِسی ایک تعلیم پر دنیا عمل کرے تو جنگ کا نقشہ بدل جائے اور رحم کا مفہوم کچھ اَور ہو جائے لیکن چونکہ دنیا توپوں اور بموں سے کام لیتی ہے اِس لئے اسلامی حکومتیں مجبور ہیں کہ وہ دفاع میں توپیں اور بم استعمال کریں۔اِسی طرح ہم روپیہ کی طرف اِس لئے جاتے ہیں کہ دشمن روپیہ سے کام لے رہا ہے، وہ کفر کی اشاعت روپیہ سے کر رہا اور دنیا میں اسلام کے خلاف روپیہ کی مدد سے اعتراضات پھیلا رہا ہے۔ورنہ اسلام روپیہ کی قربانی کو ادنیٰ قربانی قرار دیتا ہے اور اصل قربانی وہ اس چیز کو قرار دیتا ہے جو دل اور دماغ اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ سے ہو۔پس میں پھر جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے اندر صحیح قربانی کا مادہ پیدا کرے ورنہ باتیں تو پادر ہوا[7] چیزیں ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ چیز بھی بے اثر ہو جاتی ہے اگر ماننے والے موجود نہ ہوں۔

(الفضل ۳۱ر جنوری ۱۹۳۶ء)

---

۱ بخاری کتاب البیوع باب مَاقیل فی الصَّواغ

۲ المؤمنون: ۵۲　　۳ آل عمران: ۵۶

۴ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵ سیرت ابن ھشام جلد۳ صفحہ۱۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۶ ابوداؤد کتاب الادب باب فی قتل الذر

۷ پادرہوا: بےاصل۔خیالی۔فرضی